بحث ونظر

اسلام کا نظامِ وراثت

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی

زندگی کے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ مرنے والے کے مال وجائداد کی تقسیم یعنی وراثت کا ہے۔ اس مسئلہ میں انسانیت ہمیشہ افراط وتفریط میں مبتلا رہی ہے۔ اسلام نے اس مسئلہ میں بھی ایک جچا تلا اور عدل وانصاف پر مبنی قانون اور لائحۂ عمل پیش کیا ہے۔ وراثت کے سلسلہ میں اسلامی نقطۂ نظر بیان کرنے سے پہلے دیگر مذاہب اور قوموں کے نظریہ کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ تقابل میں آسانی ہو۔ یقین ہے کہ اس سے اسلامی شریعت کا اعتدال اور توازن نمایاں ہوگا۔

یہودیت میں قوانین وراثت

یہودیوں کے یہاں وراثت کا حق دار صرف لڑکا ہوتا ہے، اس کی موجودگی میں نہ تو میت کے والدین کا کوئی حصہ ہے اور نہ بیٹی کا، بیوی اور شوہر کا اور دیگر رشتے داروں کا بھی کوئی حصہ نہیں ہے، بیوہ اور بیٹیاں اولادِ نرینہ کے رحم وکرم پر ہوتی ہیں، البتہ لڑکی اگر نابالغ ہو تو بارہ سال کی عمر تک وہ باپ کے ترکہ میں سے اپنا خرچہ لے سکتی ہے۔ اس کے بعد اس کے لیے کچھ نہیں ہے۔ بیوہ بہر صورت میراث سے محروم ہوتی ہے اور ایک بوجھ سمجھی جاتی ہے:

لڑکا ہر حالت میں میراث کا حق دار ہوتا ہے چاہے وہ نکاح کے ذریعہ وجود میں آیا ہو یا بدکاری کا نتیجہ ہو، نیز سب سے بڑا لڑکا خواہ وہ بدی کا نطفہ ہو، دوگنا حصہ پاتا ہے۔

بیٹے، پوتے وغیرہ کی غیر موجودگی میں لڑکیاں میراث پاتی ہیں اور وہ نہ ہوں تو

ان کی اولاد، اور لڑکے، لڑکیاں، پوتے، نواسے وغیرہ نہ ہوں تو ترکے کا مستحق باپ ہوتا ہے، اور اس کی غیر موجودگی میں دادا، اور اس کے بعد بھائی، چچا وغیرہ،

کسی یہودی عورت کا انتقال ہو اور کوئی اولاد نہ ہو تو شوہر اس کا وارث ہوتا ہے۔

اولادِ نرینہ کے ہوتے ہوئے اسے کسی بھی طرح کی وصیت کا حق نہیں ہے اور وارث لڑکیاں ہوں تو جسے چاہے اور جتنا چاہے وصیت کرسکتا ہے۔

کوئی بت پرست یہودی مذہب اختیار کرلے تو اس کی وفات کے بعد غیر یہودی رشتہ دار اس کے وارث نہ ہوں گے، البتہ کوئی بت پرست وفات کر جائے تو یہودی اس کا وارث ہوگا اور اگر کوئی یہودی بت پرست وغیرہ ہو جائے تو یہ اپنے یہودی رشتہ داروں کے ترکہ سے محروم ہوگا، اور یہودی رشتہ دار اس کے وارث ہوں گے۔

وراثت نصرانیت میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے، بلکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ہی پر عامل تھے، وہ خود کہا کرتے تھے کہ میں شریعتِ موسوی کو ختم کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس کی تکمیل کے لیے آیا ہوں، اس لیے ظاہر ہے کہ وراثت کے سلسلہ میں مسیحیت کا بھی وہی نقطۂ نظر ہے جو اوپر تورات کے حوالے سے مذکور ہوا ۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھا لیے جانے کے بائیس سال بعد مسیحیت نے تورات کے تمام احکامات پر خطِ نسخ پھیر دیا۔ اس لیے اب ان کے یہاں اس پر عمل نہیں ہے، بلکہ مختلف فرقوں کے یہاں وراثت کے سلسلہ میں الگ الگ احکام ملتے ہیں، جن میں سے بیشتر احکام رومی یا یونانی قانون سے ماخوذ ہیں۔

رومی قانونِ وراثت

رومی قانونِ وراثت میں مختلف اوقات میں متعدد تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ ابتداءً میں وراثت کو وصیت سے متعلق کیا گیا کہ مورث جس شخص کے لیے وصیت

کر جائے وہی اس کے تمام مال کا وارث ہوگا، یہاں تک کہ بادشاہ "غسطنیانوس" ۵۲۷ء کا دور آیا اور اس نے وراثت کی بنیاد قرابت پر رکھی، نیز قریب ترین وارث کی موجودگی میں دور کے رشتہ دار کو محروم قرار دیا، اور استحقاقِ وراثت میں مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا، اس نے وارثوں کے مختلف طبقے قرار دیئے۔ پہلا طبقہ فروع یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی وغیرہ پر مشتمل ہے۔ ان کی نسل سے اگر کوئی موجود ہے تو دوسرا وراثت کا حق دار نہ ہوگا اور ان کی غیر موجودگی میں دوسرا طبقہ یعنی اصول کے درمیان ترکہ تقسیم ہوگا۔ جن میں باپ، دادا، بھائی وغیرہ شامل ہیں۔

قابلِ ذکر یہ ہے کہ اگر دادا کے ساتھ حقیقی بھائی موجود ہے تو وہ محروم نہ ہوگا، بلکہ برابر کا حق دار ہوگا ایسے ہی پوتا بھی محروم نہیں ہوتا ہے بلکہ دادا کے مرنے کے بعد وہ اپنے چچا کے ساتھ برابر کا حصہ دار ہوتا ہے۔

اصول و فروع اور حقیقی بھائی موجود نہ ہو تو یہ حق ماں شریک یا باپ شریک بھائی کو ملتا ہے اور اس کی غیر موجودگی میں دیگر رشتہ داروں میں برابر تقسیم کیا جائے گا، اس طور پر کہ قریب ترین رشتہ دار کی موجودگی میں دور کا رشتہ دار محروم ہوگا۔

میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کے ترکے سے مکمل طور پر محروم ہوگا کیونکہ ان کے یہاں وراثت کی بنیاد قرابت پر ہے۔

یونانی قانونِ وراثت

اہلِ یونان کے یہاں بھی ابتداءً وراثت کو وصیت سے متعلق رکھا گیا تھا کہ انسان اپنی زندگی ہی میں کسی کے حق میں وصیت کر جائے اور اس کی موت کے بعد تمام ترکہ وصیت کردہ شخص کی طرف منتقل ہو جاتا تھا بعد میں کچھ تبدیلیاں ہوئیں اور قرابت کو بنیاد قرار دیا گیا، تاہم اولادِ نرینہ کی موجودگی میں کسی عورت کا کوئی حصہ نہ تھا، بیٹی وغیرہ وراثت کی حق دار اس وقت ہوتی جبکہ کوئی مرد وارث موجود نہ ہو، ـــ ان میں یہ بھی رواج تھا کہ نکاح کے وقت بیٹی کو "دوملہ" (جہیز) کے نام سے گھریلو استعمال کی چیزیں دے دیا کرتے تھے، اور یہی ان کی محرومی

کا عوض ہوتا تھا۔

اولادِ نرینہ کی غیر موجودگی میں بیٹی اپنے باپ کے مال کی نگراں ہوتی تھی اور شادی کے بعد اسے کوئی لڑکا پیدا ہو جائے تو قانونی طور سے وہ مجبور تھی کہ اس لڑکے کو اپنے باپ کی طرف منسوب کرے اور ترکہ اس کے نام کر دے، گویا کہ عورت میراث کو صرف منتقل کرنے والی ہوتی ہے، وہ کسی چیز کی مالک نہیں بن سکتی۔

ہندو مت

ہندو قانونِ وراثت میں عورتوں کے لیے ترکہ میں کوئی حصہ نہیں ہے، نیز تمام چیزوں کا مالک صرف بڑا لڑکا ہوتا ہے، اور دوسرے سب محروم[1]

قوانین وراثت مغربی ممالک میں

بعض ملکوں میں وراثت سے متعلق جو قوانین نافذ ہیں وہ یونانی اور رومی قانون کا چربہ ہیں۔ یہ سب انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین ہیں، جن میں اکثر و بیشتر تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں، چنانچہ فرانسیسی قانون میں میت کی اولاد، ان کی غیر موجودگی میں اس کے باپ، دادا، پھر بھائی اور چچا کو وراثت کا حق دار قرار دیا گیا تھا اور ان سب کی غیر موجودگی میں غیر قانونی لڑکا حصہ دار ہوتا ہے، بیٹے اور پوتے کی موجودگی میں باپ اور دادا محروم ہو جاتے ہیں، اور اگر کوئی بیٹا وفات کر جائے تو دوسرے موجودہ بیٹوں کے ساتھ پوتا بھی دادا کی میراث کا حق دار ہوتا ہے۔

جرمن قانون کے لحاظ سے وراثت کی بنیاد قرابت اور زوجیت پر ہے، فرع کی موجودگی میں زن و شوہر میں سے ہر ایک کا حصہ چوتھائی ہے اور فرع کے نہ ہونے کی صورت میں آدھا، اور اصول و فروع میں سے کوئی موجود نہ ہو تو شوہر پورے ترکے کا حق دار ہوتا ہے۔

انگریزی قانون میں بیٹے کے ہوتے ہوئے بیٹی محروم ہوتی ہے، نیز پہلوٹا سب

---

[1] ... مترجمہ تاراچند چھپر تاجر کتب لاہور ۳۱۸

پر مقدم ہوتا ہے، اور اولاد نرینہ کی غیر موجودگی میں بیٹی وارث ہوتی ہے۔
روس میں جب کمیونزم برسر اقتدار ہوا تو شروع میں وراثت کا کوئی تصور ہی نہ تھا کہ فرد کسی چیز کا مالک نہ تھا، ہر چیز پر حکومت کی ملکیت ہوتی تھی، بعد میں تبدیلیاں ہوتی رہیں، یہاں تک کہ ۱۹۴۵ء میں تین طرح کے لوگوں کو وارث قرار دیا گیا:

۱۔ اولاد، زوجین
۲۔ والدین اور منہ بولا بیٹا۔
۳۔ بھائی بہن۔

ان میں سے قریب ترین کی موجودگی میں دور کے رشتہ دار کو محروم قرار دیا گیا۔
یورپ، امریکہ اور دیگر ملکوں میں اس وقت جو قانون وراثت رائج ہے اس کا ذکر تفصیل طلب ہے۔ صرف اتنا اشارہ کیا جا رہا ہے کہ ان میں رومی اور یونانی روح کارفرما ہے، گو بعض جزئیات اور تفصیلات میں اختلاف ہے۔

وراثت کا نظام عربوں میں

اہل عرب مختلف قبیلوں اور طبقوں میں بٹے ہوئے تھے، ان میں باہم آویزش اور کشمکش رہتی تھی، میدان کارزار ہمیشہ گرم رہتا تھا، اس لیے وہ تمام معاملات کو اسی کے پس منظر میں دیکھنے کی کوشش کرتے تھے، چنانچہ وراثت میں ان کے یہاں چھوٹے بچوں اور عورتوں کا کوئی حصہ نہ تھا کہ یہ لوگ جنگی صلاحیتوں سے محروم تھے اور اپنے قبیلہ کی طرف سے دفاع نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے یہاں میراث پانے کے تین اسباب تھے: قرابت، ولاء، تبنّی

۱۔ قرابت : میراث کے اسباب میں سے قرابت ایک اہم سبب تھی، لیکن اس کے لیے شرط تھی کہ وارث بالغ اور جنگی صلاحیت کا حامل ہو، اور ترکے کا سب سے پہلا حق دار بیٹا تھا۔ اس کے ہوتے ہوئے کوئی اور وارث نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد پوتا، پھر باپ، دادا اور ان کے بعد بھائی اور چچا وغیرہ کا حق تھا۔
۲۔ ولاء - اسی جنگ وجدال کی وجہ سے ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے اور ایک شخص دوسرے شخص سے مدد اور نصرت کا معاہدہ کرتا تھا جسے "ولاء" کہا

جاتا ہے اور قریبی وارث کی موجودگی میں یہ شخص وارث ہوتا تھا۔

۳۔ تبنّی : گذشتہ امتوں اور مذاہب میں لے پالک بیٹے کا رواج تھا اور اب بھی بہت سے فرقوں میں باقی ہے، کہ لوگ دوسروں کے بچے کو گود لیتے ہیں اور وہ حقیقی بیٹے کی طرح سمجھا جاتا ہے اور اس کی جائداد کا وارث ہوتا ہے، عربوں میں بھی یہ طریقہ رائج تھا، یہاں تک کہ اسلام نے آکر اس غیر فطری طریقے کو ختم کیا۔[۱]

اسلام کا قانونِ وراثت

اب ہم تفصیل سے اسلام کا قانونِ وراثت پیش کریں گے۔

اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے۔ اس کی ضیا پاش کرنوں سے زندگی کا ہر گوشہ روشن اور تابناک ہے، اس بارانِ رحمت سے حیاتِ انسانی کا ہر حصہ سیراب اور پر بہار ہے، وہ پیدائش سے لے کر موت تک کے اور مرنے کے بعد کے بھی مسائل کا حل پیش کرتا ہے، ایسا حل جو عقلِ انسانی سے قریب تر اور فطرت سے ہم آہنگ ہے، اعتدال اور توازن اس کی تعلیمات کی خصوصیت اور امتیاز ہے۔ وراثت کے سلسلے میں بھی اس کے قوانین عدل و انصاف پر مبنی اور اعتدال و توازن سے متصف ہیں۔

لغوی اور اصطلاحی مفہوم

"وراثت" عربی زبان میں دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ باقی رہنا اور ایک شخص سے دوسرے کی طرف کسی چیز کا منتقل ہونا،[۲] خواہ وہ مال و جائداد ہو یا علم اور شرف و منزلت۔ شریعت کی اصطلاح میں کسی شخص کی وفات کے بعد اس کی ملکیت کو

---

[۱] یہ تمام تر تفصیلات ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی کی کتاب "ھذا ھو الاسلام" ۱/۳۳ اور ابو الیقظان عطیہ کی کتاب حکم المیراث فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۱۱، ۲۲ سے ماخوذ ہیں۔

[۲] التحقیقات المرضیہ فی المباحث الفرضیۃ، صالح بن فوزان بن عبداللہ۔ طبع جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، طبع دوم ص ۱۰

وارثوں کی طرف منتقل کرنے کا نام میراث اور وراثت ہے[۱]

اسی مفہوم کی ادائیگی کے لیے ایک دوسرا لفظ "فریضہ" استعمال ہوتا ہے۔ جس کی جمع فرائض ہے۔ عربی زبان میں یہ لفظ متعدد معانی کے لیے مستعمل ہے، کاٹنا، متعین کرنا، اتارنا، واضح کرنا وغیرہ[۲] اور اصطلاح میں علم الفرائض اس علم کو کہا جاتا ہے جس میں وراثت کے حق دار اور اس سے محروم ہونے والے اور وارثوں کے متعین حصے اور ان کو باہم تقسیم کرنے کے طریقے بتائے گئے ہوں[۳]

وراثت کی اہمیت

۱۔ قرآن مجید

قرآن حکیم میں عام طور پر مسائل کے سلسلہ میں اجمالی احکام دیئے گئے ہیں اور جزئیات و تفصیلات سے تعرض نہیں کیا گیا ہے، نماز اور زکوٰۃ جیسے بنیادی مسائل کی بھی بہت کم تفصیلات مذکور ہیں، لیکن وراثت ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی بیشتر جزئیات اور تفصیلات خود قرآن میں موجود ہیں، ہر وارث کے حصے کو متعین کر دیا گیا ہے، اور "وصیت" جیسے تاکیدی لفظ سے اس حکم کی ابتدا کی گئی ہے:

يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ	تمہاری اولاد کے سلسلہ میں اللہ تم
لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۝	تمہیں یہ وصیت کرتے ہیں کہ مرد کو دو
(النساء: ۱۱)	عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔

نیز اسے اللہ کی طرف سے عائد کردہ فریضہ، متعین کردہ حکم اور اس کی قائم کردہ حد قرار دیا گیا، اور اس حد کی پاسداری پر بڑے اجر و ثواب کا وعدہ اور اس کی خلاف ورزی پر سخت عذاب کی دھمکی دی گئی، ارشاد ربانی ہے:

تِلْكَ حُدُودُ اللهِ ۚ وَمَنْ	یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں
يُطِعِ اللهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ	جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت

۱؎ المواریث فی الشریعۃ الاسلامیہ، الشیخ محمد علی الصابونی طبع دار القلم دمشق ۱۹۹۳ء ص ۳۴

۲؎ التحقیقات المرضیۃ ص ۱۰ ۳؎ حوالہ سابق

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا ۖ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝
(النساء: ۱۳-۱۴)

کرے گا اسے اللہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہے گا اور یہی بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کر جائے گا اسے اللہ آگ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسواکن سزا ہے۔

۲۔ احادیث نبوی

(۱) عن ابی هريرة ان النبی صلی الله علیه وسلم قال تعلموا الفرائض و علّموه فانه نصف العلم وهو ینسی وهو اول شئ ینتزع من امتی[۱]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم میراث کو سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کہ وہ آدھا علم ہے (غفلت ہو تو آدمی اسے جلد) بھول جاتا ہے اور سب سے پہلے یہی علم میری امت سے اٹھا لیا جائے گا۔

اس حدیث سے علم الفرائض کی قدر و قیمت اور شرف و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اسے آدھا علم کہا گیا کہ جتنے بھی علوم ہیں اگر انھیں تقسیم کیا جائے اور ایک طرف تمام علوم اور دوسری طرف علم فرائض کو رکھ دیا جائے تو یہ ان سب کے برابر ہوگا[★]

---

[۱] رواہ ابن ماجہ و الدارقطنی والحاکم وفیہ متروک، نیل الاوطار ۶/۵۳ محمد بن علی الشوکانی، طبع مکتبہ الدعوۃ الاسلامیہ الازہر۔

[★] یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے۔ اس کے ایک راوی حفص بن عمر کو محدثین نے متروک قرار دیا ہے۔ اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو بھی اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ علم فرائض دینی علوم کا ایک حصہ ہے، اسے نصف علم کہہ کر اس کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے نصف علم اس معنی میں کہا گیا ہو کہ احکام دین کے ایک حصہ کا تعلق انسان کی زندگی سے ہے اور ایک حصہ کا تعلق مرنے کے بعد اس کے مال و جائداد سے=

۲۔ عن عبد اللہ بن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال تعلموا القرآن وعلموہ الناس وتعلموا الفرائض وعلموھا فانی امرؤ مقبوض والعلم مرفوع ویوشک ان یختلف اثنان فی الفریضۃ والمسألۃ فلا یجدان احداً یخبرھما[1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ، علم میراث بھی خود سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، کیونکہ میں دنیا سے چلا جاؤں گا اور علم اٹھا لیا جائے گا اور عن قریب ایک ایسا دور آئے گا کہ دو آدمیوں کے درمیان فرائض کے سلسلہ میں اختلاف ہوگا اور وہ کسی ایسے کو نہیں پائیں گے جو انھیں صحیح مسئلہ بتا سکے۔

۳۔ عن عبد اللہ بن عمروؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال العلم ثلاثہ وما سوی فضل آیۃ محکمۃ او سنۃ قائمۃ او فریضۃ عادلۃ[2]

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم تین چیزوں کا نام ہے اور اس کے علاوہ جو چیزیں ہیں وہ زوائد کے قبیل سے ہیں، قرآنی آیت، سنت اور عدل پر مبنی علم وراثت۔[*]

= ہے۔ (مناوی، التیسیر بشرح الجامع الصغیر: ۱/۴۵۱) اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وراثت کا علم عام دینی علوم کا نصف ہے۔ (جلال الدین)

۱؎ رواہ النسائی والحاکم والدارقطنی وفیہ انقطاع ورواہ نضر بن شمیل وشریک متصلاً (نیل الاوطار: ۶/۵۳)

۲؎ رواہ ابو داؤد وابن ماجہ، فیہ راویان ضعیفان، نیل الاوطار ۶/۵۴ وصححہ السیوطی فی الجامع الصغیر ۲/۶۹

*؎ 'فریضۂ عادلہ' سے بعض حضرات نے علمِ فرائض مراد لیا ہے جو حدیث کے مضمون سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ علم (دین) کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو کسی محکم آیت پر مبنی ہو، دوسری وہ جو سنتِ ثابتہ سے معلوم ہو۔ علم کی تیسری قسم وہ ہے جو ان دونوں سے مستنبط ہو۔ اسے فریضہ اس لیے کہا گیا کہ عمل اس پر بھی واجب ہوتا ہے۔ (جلال الدین)

ان حدیثوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح سے اس علم کی اہمیت دل ودماغ میں اتارنے کی کوشش کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ علم محض سیکھنے اور سکھانے سے ہی باقی رہ سکتا ہے کہ اس کا دارومدار قرآنی آیت اور احادیث پر ہے، قیاس اور اجتہاد کا اس میں کوئی دخل نہیں، نیز یہ کہ ممارست نہ ہو تو آدمی اس علم کو بہت جلد بھول بھی جاتا ہے، اس لیے اس کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

صحابۂ کرام کے اقوال

۱۔ عن عمر بن الخطاب قال تعلّموا الفرائض فانہا من دینکم [1]

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ فرائض سیکھو کہ وہ تمہارے دین کا ایک حصہ ہے۔

وعنہ تعلّموا الفرائض واللحن والسنۃ کما تتعلّمون القرآن [2]

انہی سے منقول ہے کہ جس طرح تم قرآن سیکھتے ہو اسی طرح فرائض، نحو اور سنت بھی سیکھو۔

۲۔ عن عبد اللہ بن مسعود قال من تعلّم القرآن فلیتعلّم الفرائض [3]

حضرت عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ جو قرآن سیکھ لے تو اسے اب فرائض سیکھنا چاہیے۔

۳۔ عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ (الّا تفعلوہ) الآیۃ معناہ ان لم تاخذوا المیراث بما امرکم اللہ (تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر) [4]

حضرت عبد اللہ بن عباس قرآنی آیت "الّا تفعلوہ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وراثت کے سلسلہ میں اللہ نے جو حکم دیا ہے اس کے مطابق عمل نہ کروگے تو روئے زمین پر بڑا فساد اور فتنہ برپا ہوجائے گا۔ *

---

[1] المغنی: ابن قدامہ طبع دار عالم الکتب الریاض ۵/۹ [2] حوالہ مذکور [3] حوالہ مذکور ۶/۹

[4] تفسیر ابن الجوزی المکتب الاسلامی بیروت، ۳/۳۸۶

* یہ سورۂ انفال کی آیت ۷۳ ہے۔ اس کا سیاق وسباق یہ ہے کہ مکہ سے مدینہ ہجرت فرض ہونے کے بعد مدینہ نے اسلامی ریاست کی شکل اختیار کرلی۔ اس کے تمام شہریوں کے درمیان چاہے وہ انصار ہوں یا مہاجرین ولایت ورفاقت=

اسبابِ وراثت

اپنی ضروریاتِ زندگی کو محدود کرکے اور خواہشوں کو روک کرکے انسان مال جمع کرتا ہے، زمین وجائداد بناتا ہے، یہ امید کرتے ہوئے کہ اس کے بعد پس ماندگان محتاج اور بے کس نہ رہیں گے، اس کے سہارے وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہوسکیں گے، وہ اس بات کی شدید خواہش رکھتا ہے بلکہ اسی لیے وہ محنت ومشقت برداشت کرتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا مال اس کے قریبی رشتہ داروں ہی کے ہاتھ میں پہونچے اور اگر کوئی یہ جان لیتا ہے کہ اس کے بعد یہ مال دوسروں کو مل جائے گا، حکومت اس پر قبضہ کرلے گی تو وہ اسے زندگی ہی میں لٹانے کی کوشش کرتا ہے، فطرت کے اس تقاضے کا لحاظ کرتے ہوئے شریعتِ اسلامیہ نے وراثت کو ایسے افراد میں محدود کردیا ہے، جو اسے وجود بخشنے یا اس کے وجود کو باقی رکھنے کا ذریعہ ہیں، جن سے اس کی نسل چلتی ہے اور جن کے احسانات کے بوجھ تلے وہ دبا ہوا ہے اور جن کی احسان فراموشی کا وہ تصور نہیں کرسکتا ہے، ایسے لوگ جو زندگی بھر اس کے مددگار اور معاون بنے رہے، اس کے دکھ درد میں شریک اور آڑے وقت میں کام آتے رہے، ان سے اس کا رشتہ محبت والفت اور مودت و نصرت استوار ہے، انھوں نے اسے آزادی بخشی ہے، یا وہ زندگی کے سفر کا ساتھی ہے، ـــ چنانچہ اسبابِ وراثت کو تین تعلقات میں محدود کردیا گیا ہے: قرابت، زوجیت اور ولاء۔

۱۔ قرابت

قرابت یعنی خون اور نسب کا رشتہ۔ یہ چار طرح کے لوگوں پر مشتمل ہے (۱) فروع

= کا رشتہ قائم ہوگیا جن مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت نہیں کی ان کے اور دارالاسلام مدینہ کے مسلمانوں کے درمیان ولایت کا تعلق باقی نہ رہا۔ دونوں کے احکام بھی مختلف ہوگئے۔ اسی ذیل میں کہا گیا کہ اس پر عمل نہ ہو تو زمین میں فتنہ اور فساد برپا ہوگا۔ دارالاسلام اور دارالحرب کے احکام کے ذیل میں وراثت کا مسئلہ بھی آتا ہے۔ (جلال الدین)

یعنی بیٹا، بیٹی وغیرہ (۲) اصول یعنی باپ، ماں، دادا، دادی وغیرہ (۳) عصبہ یعنی بھائی بھتیجا، چچا وغیرہ (۴) ذوی الارحام جیسے پھوپھی، ماموں، بھانجا، لڑکیوں کی اولاد وغیرہ ارشاد باری ہے:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ (الاحزاب: ۶)

کتاب اللہ کی رو سے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔

اس سے متعلق تفصیلات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ نے قانونِ میراث میں قریب اور دور ہر طرح کے رشتہ داروں کا لحاظ رکھا ہے، اس میں بظاہر حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ارتکازِ دولت کا سدّباب ہو، مال چند ہاتھوں تک محدود نہ رہ جائے جس کی وجہ سے معاشرہ معاشی ناہمواری کا شکار ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ خاندان کے افراد کے درمیان الفت ومحبت اور مدد ونصرت کا ماحول باقی رہے، اور ان میں باہم کینہ اور حسد کی فضا پیدا نہ ہو۔ اس لیے کہ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ جب یہ احساس ہوگا کہ ہم میں سے ہر ایک دوسرے کا وارث ہے تو بوقت ضرورت اس پر خرچ کرنے میں بوجھ نہیں محسوس ہوگا اور اس کی مدد اور تعاون میں ایک طرح کی آسودگی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ بوقتِ حاجت شریعت نے نان نفقہ ان ہی لوگوں پر واجب قرار دیا ہے جو ایک دوسرے کے وارث قرار دئے گئے ہیں۔

واضح رہے کہ وارثوں کی فہرست میں مذکورہ تمام رشتہ دار شامل ہیں، لیکن وراثت کی تقسیم میں دوری اور نزدیکی کا خیال رکھا گیا ہے اور قریب ترین رشتہ دار کی موجودگی میں دور کے رشتہ دار کو محروم قرار دیا گیا ہے چنانچہ باپ کی موجودگی میں دادا اور اس کی موجودگی میں بھائی اور بھائی کے ہوتے ہوئے چچا محروم ہوتا ہے اور ذوی الارحام کا نمبر اس وقت آتا ہے جبکہ فروع اصول اور عصبہ میں سے کوئی موجود نہ ہو۔

۲۔ زوجیت

میاں، بیوی ایک دوسرے کے رفیق اور زندگی کے سفر کے ساتھی ہوتے ہیں۔

شوہر مال کماتا اور بیوی پر خرچ کرتا ہے۔ اس وجہ سے اسے عورت پر بالادستی حاصل ہے۔ وہ اس کی طرف سے دفاع کرتا ہے۔ عورت اس کے مال و جائداد کی محافظ بن کر رہی، اپنے آپ کو بہت سی چیزوں سے محروم کر کے مال جمع کرنے میں اس کے ساتھ تعاون کرتی رہی، باہمی الفت و محبت، مدد اور نصرت اور رفاقت کا تقاضا ہے کہ ان میں ہر ایک جو کچھ چھوڑ جائے دوسرے کا اس میں حق ہو اور اسے کسی حال میں محروم نہ کیا جائے، ارشاد ربانی ہے:

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ	تمہیں اس ترکے کا آدھا ملے گا جو تمہاری
أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ	بیویاں چھوڑ جائیں اگر ان کی کوئی اولاد نہ ہو
لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ	تو تمہارے لیے ان کے ترکہ سے ایک
لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ	چوتھائی ہے جو وہ وصیت کر جائیں اس کے
الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ	نفاذ اور ان کے قرض کی ادائیگی کے بعد،
بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا	اور تم جو چھوڑ جاؤ اس میں سے تمہاری
أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا	بیویوں کو ایک چوتھائی ملے گا اگر تمہاری
تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ	کوئی اولاد نہ ہو، اور اگر اولاد ہو تو ان کے
فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ	لیے تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ
الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ	ہے، اگر تم کوئی وصیت کر جاؤ تو اس کے
وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ (النساء:۱۲)	نفاذ اور قرض کی ادائیگی کے بعد۔

زوجیت سے مراد یہ ہے کہ مرد و عورت صحیح طریقے پر رشتۂ ازدواج سے منسلک ہو گئے ہوں، اگرچہ یکجائی کی نوبت نہ آئی ہو پھر بھی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، کیوں کہ مذکورہ آیت عام ہے اور صحبت ہوتے یا نہ ہونے کو شامل ہے، دوسرے یہ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی عورت کو وارث قرار دیا جس کے شوہر کی اس کے ساتھ یکجائی سے پہلے ہی وفات ہو گئی تھی۔[1]

---

[1] الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/۲۵۱ الدکتور وہبۃ الزحیلی طبع دار الفکر دمشق ۱۹۸۹ء

۴۔ ولاء

کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کردے اور اس آزاد کردہ غلام کا کوئی رشتہ دار اور قریبی وارث وغیرہ نہ ہو تو آزاد کرنے والا شخص اس کا وارث ہوتا ہے، وراثت کے اسی حق کو "ولاء" کہتے ہیں، یہ بھی نسبی رشتہ کی طرح ایک قابلِ احترام رشتہ ہے۔ کہ جس طرح سے باپ اپنے بیٹے کے وجود کا ذریعہ بنتا ہے، اسی طرح سے آقا بھی اسے آزادی کی نعمت سے سرفراز کرکے اسے معنوی وجود بخشتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الولاء لحمة كلحمة النسب[1] — ولاء ایک رشتہ ہے نسب کے رشتہ کی طرح

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الولاء لمن اعتق[2] — ولاء اسی کو ملے گا جس نے آزاد کیا ہے

ولاء کی ایک دوسری قسم "ولاء الموالاۃ" ہے، جس کا مفہوم یہ ہے دو شخص آپس میں یہ معاہدہ کریں کہ ہم میں سے کسی سے قتل کا جرم سرزد ہو جائے تو دوسرا "دیت" کی ادائیگی میں شریک رہے گا اور دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ ایسی صورت میں قرابت داروں وغیرہ کی غیر موجودگی میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں، چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ — اور جن لوگوں سے تم نے عہد کر رکھا

فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ (النساء: ۳۳) — ہے انھیں ان کا حصہ ادا کرو۔

واضح رہے کہ "ولاء الموالاۃ" کا سببِ وراثت ہونا صرف امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل اس کے قائل نہیں ہیں، ان کے خیال کے مطابق یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا بعد میں حسب ذیل آیت کے ذریعہ وہ منسوخ ہو گیا۔

---

[1] رواہ ابن حبان والحاکم وقال الالبانی صحیح ارواء الغلیل ۶/۱۰۹ محمد ناصر الدین الالبانی طبع المکتب الاسلامی دمشق ۱۹۷۹ء

[2] رواہ البخاری، نیل الاوطار۔ ۶/۶۸

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ (الانفال: ۷۵)

اور جو لوگ باہم رشتہ دار ہیں کتاب اللہ میں ایک دوسرے (کی میراث) کے زیادہ حق دار ہیں۔

وراثت کی شرطیں

وراثت کی شرائط بھی تین ہیں۔

۱۔ مورث کی موت، خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً، موتِ حکمی کا مطلب یہ ہے کہ حقیقی طور پر اس کی موت کے متعلق علم نہیں ہے کیونکہ اس کا کوئی اتا پتا نہیں ہے اور ایک مدت کے بعد قاضی اس کی موت کا حکم لگا دے، یا کوئی شخص مرتد ہو کر اسلامی مملکت سے "دارالحرب" میں چلا جائے تو اسے بھی حکماً مردہ تصور کیا جائے گا۔

۲۔ مورث کے مرنے کے بعد وارث کی زندگی کا ثبوت۔ یہ بھی عام ہے کہ حقیقی ہو یا حکمی، جیسے حمل کہ اسے حکماً زندہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اگر زندگی کا ثبوت نہ ہو تو وہ وارث نہیں ہوگا۔ جیسے آگ لگ جانے یا ڈوب جانے، یا ہوائی جہاز کے حادثہ میں باپ، بیٹے کی وفات ہو جائے اور یہ نہ معلوم ہو کہ ان میں سے پہلے کس کی موت ہوئی ہے تو یہ ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے۔

۳۔ وراثت کی راہ میں جو چیزیں رکاوٹ بنتی ہیں ان میں سے کوئی موجود نہ ہو۔

مانعِ وراثت

وراثت کی راہ میں یہ چیزیں رکاوٹ بنتی ہیں: قتل، اختلافِ دین اختلافِ دار اور غلامی، ان میں سے کوئی بھی موجود ہو تو باہم وراثت جاری نہ ہوگی۔

۱۔ قتل۔

کوئی شخص اپنے مورث کو قتل کر دے تو اس کی میراث سے کچھ پانے کا حق دار نہ ہوگا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

لیس للقاتل من المیراث شیٔ[1] قاتل کے لیے میراث میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔

---

[1] رواہ الدارقطنی والبیہقی وقال الالبانی صحیح، ارواء الغلیل ۶/۱۱۷ نیز دیکھئے نیل الاوطار ۶/۷۴

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر قاتل کو وراثت کا حق دار قرار دیا جائے تو مورث کے قتل کا دروازہ کھل جائے گا۔ بہت سے بدبخت زمین وجائداد کو جلد حاصل کرنے کے لیے اپنے مورث کو قتل کرنے سے دریغ نہ کریں گے اور اس کی وجہ سے خوف اور لاقانونیت کا جو حال ہوگا وہ محتاجِ اظہار نہیں۔ دوسرے یہ کہ قتل ایک شدید اور قبیح جرم ہے اور شریعت وعقل اسے درست نہیں سمجھتی ہے کہ کوئی جرم کسی انعام کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہو۔

میراث میں رکاوٹ بننے والے قتل کی چار قسمیں ہیں۔ قتل عمد، قتل شبہ عمد، قتل خطا، قتل قائم مقام خطا۔ قتل عمد سے مراد یہ ہے کہ کسی کو جان بوجھ کر دھاردار یا قتل کے لیے استعمال ہونے والے کسی بھی ہتھیار سے قتل کیا جائے۔ "قتل شبہ عمد" کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایسی چیز سے جان بوجھ کر مار ڈالا جائے جو عام طور پر قتل کے لیے استعمال نہیں ہوتی، جیسے لاٹھی، ڈنڈا وغیرہ "قتل خطا" یہ ہے کہ کوئی شخص کسی شکار پر بندوق چلائے اور وہ غلطی سے کسی انسان کو لگ جائے "قائم مقام خطا" یہ ہے کہ کوئی شخص چھت وغیرہ پر سے کسی آدمی پر گر پڑے اور وہ آدمی مرجائے۔ قتل کی ان تمام صورتوں میں قاتل میراث سے محروم ہوگا۔ البتہ "قتل بالسبب" کی وجہ سے وراثت کا حق دار باقی رہے گا۔ جیسے راہ میں پتھر رکھ دے اور کوئی اس سے ٹکرا کر مرجائے۔ یا جھوٹی گواہی دے کر کسی کو عدالت کے ذریعہ قتل کرا دے تو ایسا کرنے والا شخص میراث سے محروم نہ ہوگا۔ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ مورث حملہ آور ہو اور وارث دفاع کرتے ہوئے اس کو قتل کر دے، یا قاتل نابالغ بچہ یا پاگل ہو[1]

یہ تفصیل فقہ حنفی کے مطابق ہے۔ دیگر ائمہ کی رائے اس سے مختلف ہے۔ امام مالک کے نزدیک وہی قتل مانعِ وراثت ہے جو جان بوجھ کر اور ظلماً ہو "قتل خطا" مانعِ وراثت نہیں ہے۔ امام شافعی کے نزدیک قتل ہر حالت میں مانعِ وراثت ہے۔ یہاں تک کہ قاضی گواہی کی روشنی میں کسی کے قتل کا فیصلہ کر دے اور وہ مقتول کا وارث ہو تو اس کی میراث سے محروم ہوگا۔ اس لیے کہ حدیث عام ہے

---

[1] دیکھئے ردالمحتار ۱۰/۴-۵، محمد امین الشامی، طبع مکتبہ زکریا دیوبند ۱۹۹۶ء

اور ہر طرح کے قتل کو شامل ہے۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک جس قتل کی وجہ سے ضمان اور تاوان لازم ہو (خواہ وہ تاوان قصاص کی شکل میں ہو یا دیت یا کفارہ کی صورت میں) وہ مانعِ وراثت ہے۔ اس نقطۂ نظر کے اعتبار سے قتل کی مذکورہ چار صورتیں اور قتل بالسبب مانعِ وراثت ہے۔ یہی حکم بچے، پاگل اور سونے کی حالت میں قتل کا بھی ہے۔[1]

اختلافِ دین

وراثت کی بنیاد باہمی تعاون اور ولایت پر ہے، چونکہ کافر و مسلم کے درمیان باہمی تعاون اور ولایت کا رشتہ باقی نہیں رہتا ہے اس لیے وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لایرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم[2]	نہ تو کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ کافر کسی مسلمان کا۔

جمہور صحابہ، تابعین اور فقہاء امت کا یہی نقطۂ نظر ہے۔ البتہ حضرت معاذ بن جبل حضرت معاویہ، محمد بن الحنفیہ، سعید بن المسیب اور بعض دوسرے حضرات کا خیال ہے کہ کافر کسی مسلم کا وارث نہیں ہو سکتا ہے لیکن مسلمان کسی کافر کا وارث بن سکتا ہے، ان حضرات کے پیش نظر یہ دلائل ہیں۔

عن معاذ بن جبل قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الاسلام یزید ولا ینقص[3]	حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسلام بڑھتا ہے، گھٹتا نہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام بڑھنے کا ذریعہ ہے، نقص اور کمی کا سبب نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا جائے گا کہ یہ اضافہ ہے اور کافر کو

---

[1] دیکھئے المغنی ۹/۱۵۲ [2] بخاری و مسلم، نیل الاوطار ۶/۷۳
[3] دیکھئے المغنی ۹/۱۵۴-۱۵۵ حاشیہ رد المحتار ۱۰/۵۰۵-۵۰۷

مسلمان کا وارث نہیں بنایا جائے گا کہ اس کی وجہ سے کمی ہوگی اور اسلام کسی کمی کا ذریعہ نہیں بنتا ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ

الاسلام یعلو ولا یعلیٰ علیہ [1]	اسلام سربلند رہتا ہے اور کوئی دوسرا اس سے بلند نہیں ہوسکتا ہے۔

لیکن یہ دونوں حدیثیں مبہم ہیں اور موضوع سے متعلق صریح نہیں ہیں، بلکہ ان کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد بڑھتی ہی رہے گی، گھٹے گی نہیں اور دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اسلام دلیل وحجت کے اعتبار سے ہمیشہ غالب رہے گا، کوئی اسے مغلوب نہیں کرسکتا ہے۔ اس کے برخلاف پہلی حدیث صحیح بھی ہے اور صریح بھی، لہٰذا اسے ترجیح حاصل ہوگی۔[2]

مرتد

کوئی بدبخت اسلام چھوڑکر دوسرا مذہب اختیار کرلے تو بہ اتفاق وہ کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، لیکن کوئی مسلمان اس کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں قدرے اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس نے مسلمان ہوتے ہوئے جو مال حاصل کیا ہے مرتد ہونے کے بعد اسے اس کے وارثوں کے درمیان تقسیم کردیا جائے گا اور اس نے ارتداد کے بعد جو مال حاصل کیا ہے اسے "بیت المال" کے حوالے کردیا جائے گا، یہ تفصیل اس صورت میں ہے جبکہ مرتد کوئی مرد ہو، اگر مرد کے بجائے عورت مرتد ہو تو کسی تفصیل کے بغیر اس کے تمام مال کو وارثوں کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

امام ابویوسف اور محمد کے نزدیک مرد اور عورت کی تفریق کے بغیر تمام مال کو وارثوں کے حوالے کردیا جائے گا۔ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر الصدیقؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کی بھی یہی رائے ہے، تابعین میں حضرت سعید بن المسیب، عمر بن عبدالعزیز، امام شعبی اور ثوری بھی اسی کے قائل ہیں۔

اس کے برخلاف امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل کے نزدیک کسی تفصیل کے

---

[1] ایضاً [2] ایضاً

بغیر تمام مال "بیت المال" میں داخل کر دیا جائے گا [۱] ان کے نزدیک اس میں اور کافر اصلی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لہٰذا اسے مالِ غنیمت سمجھا جائے گا اور "بیت المال" میں جمع کر دیا جائے گا۔

حنفیہ کی دلیل خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کا طرزِ عمل ہے، نیز یہ کہ ارتداد ایک طرح سے موت ہے، جس کی وجہ سے مال مرتد کی ملکیت سے نکل جاتا ہے اور اس کے وارثوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں کافرِ اصلی اور مرتد میں بڑا فرق ہے کہ کافر اصلی یہودی و نصرانی ہو تو اس کا ذبیحہ حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا درست ہے جب کہ مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں گرچہ وہ یہودی اور نصرانی ہو جائے اور نہ ہی کسی مرتدہ سے نکاح درست ہے۔ اس فرق کے ہوتے ہوئے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، خصوصاً اس مال کے متعلق جسے اس نے حالتِ اسلام میں حاصل کیا ہے اور اس سے یک گونہ اس کے وارثوں کا حق متعلق ہو چکا ہے۔

زندیق (جیسے قادیانی) کا بھی وہی حکم ہے جو مرتد کا ہے [۲]

کافروں کے مختلف فرقے

فقہاء کرام نے اس مسئلے پر بھی بڑی لمبی چوڑی بحث کی ہے کہ کافروں کے مختلف فرقے مثلاً یہودی، نصرانی، مجوسی اور بت پرست آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ حنفیہ، شافعیہ اور جمہور فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ کافروں کے تمام فرقے ایک مذہب کی طرح ہیں "الکفر ملة واحدة" لہٰذا اختلافِ مذہب کے باوجود وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ امام مالک نے کافرانہ فرقوں اور مذاہب کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے، یہودی، نصرانی اور دیگر فرقے۔ یہ تینوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے ہیں، البتہ یہودی و نصرانی کے علاوہ تمام فرقے اور جماعتیں آپس میں وارث ہو سکتی ہیں۔

۱۔ دیکھئے المغنی ۹/۱۵۹ و ۱۶۲ ۲۔ ایضاً ۹/۱۶۳

امام احمد بن حنبل کی رائے ہے کہ جتنی بھی ملتیں اور فرقے ہیں ان میں سے ایک فرقہ دوسرے فرقے کا وارث نہیں ہو سکتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا یتوارث اھل ملتین شتی[1]　　دو مختلف ملتوں کے حاملین میں وراثت جاری نہیں ہوگی۔

جو لوگ اس نقطۂ نظر سے اتفاق نہیں رکھتے ان کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں دو ملت سے مراد اسلام و کفر ہے۔ اسلام ایک ملت ہے اور کفر دوسری ملت، اور اس حدیث کا بھی وہی مفہوم ہے جو حدیث لایرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم سے مراد ہے۔

امام احمد بن حنبل کی رائے حدیث سے قریب تر ہے۔ اس اضافے کے ساتھ کہ وراثت کے سلسلہ میں خود ان کے مذہبی قانون پر عمل کرنے کی آزادی ہونی چاہیے۔

۳۔ اختلافِ دار

"اختلافِ دار" کا مفہوم یہ ہے کہ وارث و مورث کا تعلق دو الگ الگ ملکوں سے ہو، جن کے درمیان کوئی ربط و معاہدہ نہ ہو بلکہ جنگ ہو یا جنگ کا ماحول ہو، ایسی صورت میں نہ تو مسلمان ملک کا کافر کسی حربی کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ حربی کسی مسلمان ملک کے کافر کا۔ یہ حکم کافروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ رہے مسلمان تو وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، جہاں بھی رہیں[2] امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اسی کے قائل ہیں۔ امام احمد سے بھی ایک قول اسی کے مطابق منقول ہے۔ اس کے برخلاف امام مالک کی رائے اور امام احمد بن حنبل کا دوسرا قول یہ ہے کہ کافروں کے لیے بھی اختلافِ دار مانع نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت نے اختلافِ دین کی طرح اختلافِ دار کو وراثت کے لیے مانع قرار نہیں دیا ہے۔ اس سے متعلق نہ تو کوئی قرآنی آیت ہے اور نہ حدیث اور نہ ہی اس پر اجماعِ امت ہے بلکہ صرف یہ کہا گیا ہے کہ دو مختلف ملت کے لوگ آپس میں وارث نہیں ہو سکتے ہیں، اس کے عموم کا تقاضا ہے

---

[1] رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ عن عبداللہ بن عمرو وللترمذی مثلہ عن جابر نیل الاوطار ۶/۷۳ قال الالبانی سندہ حسن، ارواء الغلیل ۶/۱۲۱

[2] رد المحتار ۱۰/۵۰۹

کہ اگر ملت ایک ہو تو وراثت جاری ہوگی گرچہ ملک مختلف ہو کیونکہ وراثت کی بنیاد یعنی اتحادِ ملت موجود رہے[1]

۴۔ غلامی

کوئی شخص غلام رہتے ہوئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا اور اس کے قبضے میں موجود تمام چیزوں کا مالک اس کا آقا ہوتا ہے، اور جب وہ کسی چیز کا مالک نہیں ہے تو اس کا کوئی کیسے وارث ہو سکتا ہے اور اس کے رشتہ داروں کی موت پر اسے وارث قرار دیا جائے تو جو کچھ اسے ملے گا وہ خود اس کا مالک نہیں ہوگا بلکہ آقا کے قبضے میں چلا جائے گا، اس طرح سے ایک غیر رشتہ دار کو وارث بنانا ہوگا۔ لہٰذا نہ تو وہ کسی کا وارث ہوگا اور نہ اس کے رشتہ دار اس کے وارث ہوں گے ۔ چونکہ اب یہ مسئلہ موجود نہیں ہے اس لیے اس سے متعلق تفصیلات کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

ولدِ زنا و لعان اور لقیط

بدکاری کے نتیجے میں پیدا ہونے والا بچہ زانی کا وارث نہ ہوگا گرچہ زانی اقرار کرے کہ وہ اسی کا نطفہ ہے، کیونکہ شریعت زانی سے اس کے نسب کو تسلیم نہیں کرتی ۔ البتہ یہ بچہ اپنی ماں اور اس کے رشتہ داروں کے ترکے میں حق دار ہوگا، یہی حکم اس بچے کا بھی ہے، جس کے باپ نے اسے اپنا بچہ ماننے سے انکار کر دیا ہو اور لعان کے ذریعہ اس کے ماں سے علٰحدگی اختیار کر لی ہو، چنانچہ حدیث میں ہے کہ

عن عمرو بن شعیب	حضرت عبداللہ بن عمرو سے
عن ابیہ عن جدہ عن	منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
النبی صلی اللہ علیہ وسلم	لعان کردہ لڑکے کے ترکے کا حق دار
انہ جعل میراث ابن الملاعنۃ	اس کی ماں کو قرار دیا اور اس کی
لأمہ ولورثتہا من بعدھا [2]	غیر موجودگی میں اس کے رشتہ داروں کو

---

[1] المغنی ۱۵۸/۹ [2] رواہ ابوداؤد، نیل الاوطار ۶/ ۶۶

ایک دوسری روایت میں ہے۔

وکان ابنہا ینسب	لعان کردہ لڑکا اپنی ماں کی طرف منسوب
الی أمہ فجرت السنۃ	تھا اور اسی وقت سے یہ طریقہ جاری ہوگیا
انہ یرثہا و ترث	کردہ اپنی ماں کا وارث ہوتا اور ماں اس کی
منہ [1]	وارث ہوتی۔

یہ ایک اجماعی اور اتفاقی مسئلہ ہے [2]

پرورش کی ذمہ داری نہ اٹھا سکنے کی وجہ سے یا بدنامی کے اندیشہ سے کچھ لوگ اپنے بچوں کو کہیں پھینک آتے ہیں، ایسے بچے کو شریعت کی اصطلاح میں لقیط کہا جاتا ہے، جو شخص اسے اٹھالے اسی کے پاس بچے کو رہنے دیا جائے گا البتہ اس کے خرچ کی ذمہ دار اسلامی حکومت ہوگی، وہی اس کی پرورش اور تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں جواب دہ ہے، اسی لیے اس کی میراث کا حق دار بھی "بیت المال" ہے، اس مسئلہ پر بھی تمام فقہاء کا اتفاق ہے [3]

بعض لوگوں نے مانع وراثت میں ان چیزوں کو بھی شمار کیا ہے اور اسی مناسبت سے اسے یہاں نقل کیا گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا تعلق مانع وراثت سے نہیں ہے بلکہ اسبابِ وراثت سے ہے کہ وراثت کا سبب یعنی ثبوتِ نسب اور قرابت موجود نہیں ہے۔ اس وجہ سے ان لوگوں کو وارث قرار نہیں دیا گیا ہے [4]

---

[1] متفق علیہ، نیل الاوطار ۶/ ۶۶

[2] المغنی ۹/ ۱۱۵

[3] الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۳۴۲

[4] ردالمحتار ۱۰/ ۵۱۱